عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

ذوالحج ۱۴۲۳ھ / فروری ۲۰۰۳ء

فہرست

فی شمارہ: ۱۵ روپے۔

سالانہ بدل اشتراک: ۱۴۰ روپے + ڈاک خرچ

خط وکتابت کا پتہ: مکان p-12 یونیورسٹی کیمپس پشاور۔

ڈاکٹر فدا محمد

ایک سوال کا جواب

برخوردار نجیب الدّین انجنیئر ہمارے سلسلے کے ابتدائی ساتھیوں میں سے ہیں۔ جہاں پر بھی جائیں سلسلے کا تربیتی درس شروع کرا دیتے ہیں۔ ایسے فکرمند ساتھی ہیں کہ مقامی تبلیغی کام ہورہا ہوتو ان کا بھرپور ساتھ دیتے ہیں، اور اگر نہ ہورہا ہوتو کوشش کر کے گشت تعلیم کی ترتیب شروع کرادیتے ہیں۔ آجکل سندھ میں OGDC کے محکمہ میں بطور انجنیئر کام کررہے ہیں۔ اپنے علاقے میں موصوف نے مندرجہ بالا ہر دو ترتیبیں شروع کر دیں اور خاطر خواہ نتائج حاصل ہونے لگے۔

پچھلے دنوں ان کا خط آیا جس میں انھوں نے لکھا کہ ان کے ہاں ایک پیر صاحب آگئے ہیں جو لوگوں کو ذکر سکھاتے ہیں۔ ان کا طریقہ کار یہ ہے کہ اپنے ذکر والے لوگوں کو جماعت کی نماز میں نہیں چھوڑتے۔ کبھی مسجد میں آ بھی جائیں تو وضو میں اتنی دیر لگاتے ہیں کہ جماعت ہو جائے، بعد میں اپنی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ نجیب الدّین صاحب کے تبلیغ والے ساتھیوں کا بھی ذکر سیکھنے کا شوق ہوا، وہ وہاں گئے لیکن ان حضرات کی توجہ کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا جبکہ باقی مریدوں کے بدن کے کچھ حصے پھڑکنے لگتے ہیں اور ہو حق کے نعرے لگانے لگتے ہیں۔ اس پر پیر صاحب نے ان سے کہا کہ ''فضائل اعمال'' پڑھنے کی وجہ سے تمہارے دلوں پر زنگ آیا ہوا ہے اس لیے تمھیں ہمارے ذکر کا فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر ہماری ترتیب سیکھنا چاہتے ہو تو فضائل اعمال کو چھوڑنا ہوگا۔

چونکہ موضوع ضروری اور فائدہ عام کا تھا اس لیے خیال ہوا کہ اس کا جواب سلسلہ کے ماہنامہ میں بہتر رہے گا۔

اگرچہ یکسوئی پیدا کرنے کے لیے علیحدگی اختیار کرنا اور ذکر کے بدنی اثرات

مرتب کرنے کے لیے کچھ اضافی اشغال اور مشقیں وغیرہ محققین بھی کرواتے ہیں۔ جس سے مرید کا ذرا دل لگ جاتا ہے اور اس کو تسلی ہوتی ہے کہ فائدہ ہو رہا ہے، لیکن ان ترتیبوں کو فقط معالجہ کی حد تک رکھا جاتا ہے، یہ چیزیں محققین کے نزدیک مقصود نہیں ہیں۔ اور مستقل جماعت کی نماز چھڑوا دینا نیز دوسرے اہل حق کی ترتیبوں کو ظلمت اور زنگ کہنا تو بڑی جسارت اور محرومی کی بات ہے۔ اس سلسلہ کے جو افراد ہمارے گرد و پیش میں ہیں بیچارے جماعت کی نماز سے بالکل محروم ہیں۔

دراصل ذرائع اور زوائد کو مقاصد بنا لینا غیر محقق ہونے کی علامت ہوتی ہے۔ تصوف جب غیر اہل علم اور غیر محقق لوگوں کے ہاتھ چڑھ جاتا ہے تو یہی حال ہوتا ہے۔ محققین کے نزدیک انفعالات مقصود نہیں ہیں بلکہ اعمال مقصود ہیں۔ انفعالات تو دورانِ ذکر بدنی کیفیات بصورت سوز و گداز، رقت و نرمی، رونا دھونا اور بدن کے کچھ حصوں کا پھڑکنا وغیرہ ہیں، جبکہ الفاظِ ذکر، معانی ذکر اور اس کے نتیجے میں باطن میں اللہ تعالیٰ کا دھیان طاری ہونا مقاصدِ ذکر ہیں۔ کئی کاملین کو مقاصدِ ذکر بغیر انفعالات کے حاصل ہوتے ہیں۔ ایسے ہی کشف وغیرہ زوائد ہیں مقاصد نہیں ہیں۔ کئی کاملین کو زوائد میں سے کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی لیکن اس سے ان کی مقبولیت اور کمال پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

سالکین کا بجائے اعمال کے انفعالات کے پیچھے پڑنا ایک طرح کی روحانی حرص ہے، جو اگر بڑا بننے کے جذبے سے کی جائے تو عین ریا اور دنیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے حضرات کو مع ہمارے کامل ھدایت سے نوازے اور دینی سلسلوں کو باہم تباعد و تنافر سے بچائے اور باہمی تعاون و تناصر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا محمد اشرف خانؒ
ضبط کردہ: پروفیسر شیر حسن

قسط نمبر '۲'

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تبلیغ کس طرح تھی؟

جب قریشِ مکہ نے بہت اذیتیں دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف جانے کا ارادہ کیا کہ وہاں جا کر اسلام کی دعوت دیں۔ آپ ﷺ طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے سرداروں کو اسلام کی دعوت دی۔ اسلام قبول کرنا تو درکنار وہ آپ ﷺ سے بہت بے رخی سے پیش آئے اور بہت سخت باتیں کیں۔ جب ان سے مایوس ہو کر واپس لوٹے تو راستہ میں اوباش اور شریر لڑکوں نے آپ ﷺ پر پتھروں کی بارش کی، جس سے آپ لہولہان ہو گئے اور آپ ﷺ کے جوتے مبارک خون سے بھر گئے اور آپ ﷺ نے ایک باغ میں پناہ لی۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الجبال کو بھیجا کہ اگر آپ ﷺ چاہیں تو طائف کی پوری آبادی کو دو پہاڑوں کے درمیان کچل کر رکھ دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللعالمین تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات عالی سے امید ہے کہ ان کی اولاد اسلام قبول کرے گی۔

تین سال تک قریش مکہ نے آپ کا اور آپ کے خاندان بنو ہاشم کا مکمل بائیکاٹ کیا، اور آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ کی ایک گھاٹی شعب ابی طالب میں بند کیا جہاں نہ کسی قسم کی خوراک آپ ﷺ کو پہنچ سکتی تھی اور نہ ہی باہر کی دنیا سے کوئی رابطہ تھا۔ بچے بھوک اور پیاس سے بلکتے تھے، درختوں کے پتے اور سوکھے چمڑوں کو جلا کر کھاتے تھے۔ بہت ہی سخت وقت تھا۔ جب صحابہ پر تکالیف نا قابل برداشت ہو گئیں تو آپ ﷺ کے حکم سے بعض صحابہ نے حبشہ کو ہجرت کی۔ قریش ان کو واپس لانے کے لیے وہاں بھی گئے اور اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ ان کو مکہ واپس لے آئیں مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ ہجرت سے دو سال پہلے مدینہ کے لوگ حج کے لیے آئے تو آپ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی جس

سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے ۔ اگلے سال کچھ اور لوگ مسلمان ہو گئے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو ان کے ساتھ مدینہ بھیجا تا کہ وہاں اسلام کی دعوت اور تعلیم دیں ۔ مکہ میں آپ ﷺ نے انفرادی دعوت بھی دی اور اجتماعی دعوت بھی دی ۔ مجمع میں بھی دعوت دی اور علیحدہ علیحدہ بھی دعوت دی ۔ مکہ میں تیرہ سال تک دعوت دینے کے بعد آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کی ۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر نے پہلے سے وہاں گشت کی داغ بیل ڈال رکھی تھی ۔ فضا اچھی تھی ، حضرت مصعبؓ بن عمیر لوگوں کے پاس آتے جاتے اور آزادنہ دعوت دیتے تھے ، لوگ بھی آپؓ کے پاس آتے تھے ۔ جب حضور ﷺ مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے تھے تو یہ حدیث مبارکہ آپ کی زبان پر تھی ۔ اَفْشُوْ السَّلَامَ، وَاَطْعِمُوْا الطَّعَامَ، وَ صَلُّوْا بِا لَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَام" ، اُدْخُلُوْ الْجَنَّةَ بِالسَّلَامِ (ترجمہ: سلام کو پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، اور نماز پڑھو جب لوگ سوتے ہوں تو جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو گے ۔)

عبداللہ بن سلام یہود کے بہت بڑے عالم تھے ۔ جب آپ ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھا تو پکار اٹھے مَاهٰذَا بِوَجْهِ الْكَذَّاب (کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہوسکتا) اور ایمان لے آئے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود کا ایک وفد آیا تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سلام کو پردے میں بٹھایا اور ان کو اسلام کی دعوت دی اور یہ بھی پوچھا کہ عبداللہ بن سلام کیسا آدمی ہے ۔ تو کہنے لگے کہ نیک ہے صادق ہے اور حبر (عالم) ہے، اس دوران حضرت عبداللہ بن سلام پردے سے باہر آئے اور کلمہ پڑھا ۔ یہود کہنے لگے کہ تو بھی جھوٹا اور تیرا باپ بھی جھوٹا ہے ۔ ایک یہودیہ نے آپ ﷺ کو کھانے میں زہر دیا آپ ﷺ نے ایک لقمہ کھایا تو وہ لقمہ منہ میں ہی بول اٹھا کہ مجھ میں زہر ہے ۔ آپؐ نے وہ لقمہ پھینک دیا لیکن زہر نے اپنا اثر کیا جس سے آپ کو سر درد ہوا کرتا تھا ۔ یہی زہر بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا سبب بنا ۔

حضور ﷺ نے مدینہ میں سب سے پہلے مسجد نبوی تعمیر کی ۔ اس میں آپ ﷺ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے اور اپنے ساتھ جوڑتے اور جماعتیں بنا بنا کر عرب کے قبائل میں

دعوت و تبلیغ کے لیے بھیجتے، جس کو سریہ کہتے ہیں۔ سریہ سے مقصد جنگ نہیں تھا بلکہ صرف دعوت و تبلیغ اور اسلام کا دفاع تھا۔ کبھی دس صحابہ اور کبھی ستر صحابہ اور کبھی اس سے بھی زیادہ صحابہ کی جماعتیں آپ ﷺ نے بھیجیں۔ یہ وفود مختلف قبائل میں دعوت دیتے اور مختلف قبائل کے وفود بھی مدینہ منورہ آتے جن کو آپ ﷺ مسجد نبوی میں ٹھہراتے اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے۔ بعض وفود پہلے سے مسلمان ہوتے ان سب کو آپ ﷺ مسجد نبوی میں اسلامی تعلیمات سکھاتے اور ان کی تربیت کرتے۔ مدینہ کے مسلمان ان وفود کی مہمانداری اور خدمت کرتے، اور جب یہ واپس جاتے تو ان کو تحائف بھی دیتے تھے۔

مکہ مکرمہ میں جب انفرادی دعوت چل رہی تھی تو وہاں یہ آیت نازل ہوئی

وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَ عَمِلَ صَا لِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (آیت ۳۳. سُورہ حم السجدہ)

اور اس سے بہتر کس کی بات جس نے بلایا اللہ کی طرف اور کیا نیک کام اور کہا میں حکم بردار ہوں

اور مدینہ منورہ میں جب دعوت کا کام پھیل گیا اور زیادہ تر دعوت اجتماعی رخ اختیار کر گئی تو یہ آیت نازل ہوئی

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّا سِ تَاْ مُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ط (آیت ۱۱۰۔ آل عمران)

تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں، حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔

ایک یہودی کا بیٹا آپ ﷺ کی مجلس میں آیا کرتا تھا لیکن باپ کے ڈر سے ایمان نہیں لاتا تھا۔ وہ بیمار ہو گیا اور اس کی موت کا وقت قریب آ گیا۔ اس کی عیادت کے

لیے حضورﷺ تشریف لے گئے، آپﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا تو باپ نے کہا کہ ابوالقاسم (حضور) کی بات مان لو۔ اس نے مرنے سے پہلے اسلام قبول کیا، حضورﷺ بہت خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ جس نے میری وجہ سے ایک آدمی کو آگ سے بچایا۔ یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچانتے تھے لیکن عناد اور تکبر کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے تھے۔

فتح خیبر کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ مقابلے سے پہلے لوگوں کو اسلام کی طرف بلاؤ۔ اگر تمہارے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے کسی ایک کو بھی ھدایت دے دی تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بلکہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ اس زمانہ کے سرخ اونٹ آجکل کی مرسڈیز موٹر کے برابر ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کا مزاج بھی داعیانہ بنایا۔ فتح مکہ کے بعد بقول ابن حجرؒ کے گویا بند ٹوٹ گیا اور لوگ فوج در فوج اور گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ حضورﷺ نے کوئی خاص طریقہ اور حکمت دعوت کے پھیلانے میں نہیں چھوڑی۔ ہر موقع اور محل کو دیکھا۔ دعوت و تبلیغ کے لیے موقع شناسی، محل شناسی اور مردم شناسی ضروری ہے۔ یعنی جس شخص کو دعوت دیتے ہو پہلے اس کو اپناؤ اور اس کا دل لے لو پھر اس سے دن لے لو۔ اگر وہ تم کو دشمن سمجھتا ہو تو تمہاری بات کو کیسے مانے گا!۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ ہجری میں بڑے بڑے ملکوں ایران، روم، حبشہ اور مصر وغیرہ کے بادشاہوں کو دعوتی خطوط بھیجے اور ان کو اسلام کی طرف بلایا۔ کسریٰ شاہ ایران نے آپﷺ کے خط مبارک کو پھاڑا۔ حضورﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرے گا۔ اصل دین زیادہ باطن سے تعلق رکھتا ہے۔ جب

قلب کے اندر ایمان راسخ ہوگا اور دل میں دین کا درد وغم ہوگا ،فکر ہوگی تو اس سے دعوت میں جان آئے گی اور دعوت مضبوط اور پرتاثیر ہوگی۔

☆☆☆☆☆

تاریخ ابن نجار میں فقیہ یوسف بن محمد زنجانی شافعی کے حالات میں ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ہمیں شیخ ابواسحاق شیرازیؒ نے قاضی امام ابوطیب کے حوالے سے یہ واقعہ سنایا کہ ہم ایک دفعہ بغداد کی جامع منصور میں ایک مناظرے کی مجلس میں شریک ہوئے۔دوران مناظرہ ایک خراسانی نوجوان نے مسئلہ مصراۃ کی بحث چھیڑ دی اور مقابل مناظر سے اس کی دلیل کا مطالبہ کیا۔تو دوسری طرف کے مناظر نے صحیحین میں موجود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے استدلال کیا تو خراسانی نوجوان نے کہا (العیاذ باللہ) ابو ہریرہؓ اس پائے کے نہیں ہیں کہ ان کی حدیث قبول کرلی جائے۔قاضی ابوطیب جو اس واقعے کے عینی شاہد ہیں فرماتے ہیں کہ اس نے ابھی یہ کلام پورا بھی نہیں کیا تھا کہ اس پر جامع منصور کی چھت کی طرف سے ایک اژدھا گرا،لوگ بھاگ کھڑے ہوئے اور سانپ سب کو چھوڑ کر صرف اس نوجوان کے پیچھے بھاگا۔اس کو کہا گیا کہ توبہ کرو توبہ کرو۔اس نے کہا میں توبہ کرتا ہوں تو سانپ ایسے غائب ہوا کہ اس کا کوئی نشان بھی نہ ملا کہ کہاں غائب ہوا۔

(حیٰوۃ الحیوان کبریٰ / العرف الشذی ص ۳۹۴)

حضرت ڈاکٹر فدا محمد

حفاظتِ حدیث

یہ ۱۹۶۴ء کا واقعہ ہے کہ بندہ کا اسلامیہ کالج پشاور میں داخلہ ہوا تو یہاں پروفیسر حضرات بالعموم اور بعض اردو والے پروفیسر بالخصوص حدیث کے خلاف بولتے رہتے تھے اور انکارِ حدیث کی فضا بناتے رہتے تھے۔ بندہ کی مطالعہ کی مشق بھی تھی اور مطالعہ کا شوق بھی تھا، اس لیے بندہ نے جا کر اسلامیہ کالج کی لائبریری سے پروفیسر غلام جیلانی برق کی انکار حدیث کے بارے میں مشہور کتاب ''دو قرآن'' کا مطالعہ کیا جس میں اس بارے میں بہت دلائل تھے کہ احادیث محفوظ نہیں ہیں اور نعوذ باللہ بعد کے دور کا لکھا ہوا ایک بے اعتبار مجموعہ ہیں۔ دلائل بہت متاثر کن تھے، واقعی ایک نوعمر طالبعلم کا ان کے مطالعے کے بعد اپنی جگہ پر رہنا بہت مشکل تھا۔ بندہ چونکہ بچپن سے ہی علماء اور مشائخ کے پاس بیٹھتا اٹھتا رہتا تھا اور وہ علمائے کرام اتنے مخلص محقق اور خدا رسیدہ تھے کہ ان کی باتوں کے مقابلے میں بندہ کسی کے زوردار دلائل سے متاثر نہیں ہوتا تھا۔ بعد کے مطالعے میں منکرین حدیث کے بودے دلائل کے مقابلے میں حقانی علماء کے بہت زوردار علمی جوابات نظر سے گذرے۔ MBBS کے مطالعے کے دوران دماغ کی ساخت anatomy اور افعال physiology نیز نفسیات sychology والوں کے دماغی رویہ behaviour کے متعلق تحقیقی research مطالعے سے حافظہ اور یادداشت کے بارے میں ایسے حقائق سامنے آئے کہ ان جدید حیاتیاتی سائنسوں biological sciences اور سوشل سائنسز کی روشنی میں یہ بات سامنے آئی کہ بعض صورتوں میں چند وجوہات کی بناء پر کسی شخصیت کے کافی لمبے لمبے بیان، تقاریر اور مذاکرے حرف بحرف یاد رہ سکتے ہیں۔

اناٹومی، فزیالوجی اور سائیکالوجی کی اصطلاح میں دماغ کی یاد رکھنے کی صلاحیت کو registration power (یعنی ملکہ یاداشت) کہتے ہیں۔ یادداشت اور حافظے کی ایک تو عمومی ترتیب (routine) ہے جس کے تحت آدمی کسی چیز کو پڑھتا ہے سیکھتا ہے، اور بار بار تکرار کرتا ہے تو وہ چیز ازبر ہو جاتی ہے۔ لیکن ایک دوسری ترتیب ایسی ہے کہ جس میں دماغ کا ملکہ یادداشت (registration power) حیرت انگیز طور سے بڑھ جاتا ہے۔ یہ بات کچھ وجوہات (factors) کی بناء پر ہوتی ہے جو کہ ترتیب وار مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ محبت:

جس کسی سے محبت ہو اس کی باتوں اور احوال کو یاد رکھنے کے بارے میں دماغ کا ملکہ یادداشت حیرت انگیز طور پر بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ اس رخ کے لوگوں کو اپنے تعلق والوں کی گھنٹوں گھنٹوں کی طویل گفتگوئیں (dialogues) انہی الفاظ کے ساتھ بلکہ انہی اداؤں کے ساتھ فوراً یاد ہو جاتی ہیں۔

اب احادیث کو روایت کرنے والوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق دیکھا جائے تو لیلیٰ مجنوں وشیریں فرہاد کی فانی ونفسانی محبتوں سے کہیں زیادہ گہرا محبت اور شیفتگی کا تعلق ہے، جو محض طبعی ونفسانی محبت نہیں ہے بلکہ عقلی اور نورانی محبت ہے، جس کی شدت وگہرائی بیان نہیں کی جاسکتی۔ صحابہ کرام کے واقعات میں یہ باتیں آئی ہوئی ہیں کہ بعض نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ''آپ ﷺ جب یاد آتے ہیں تو جب تک آکر زیارت نہ کرلیں تو اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ جان ہی نہ نکل جائے۔'' غزوہ احد میں آپ ﷺ کے گرد صحابہ کرام حصار بنا کر کھڑے تھے اور آپ ﷺ کی طرف آنے

والے برچھوں، تیروں، پتھروں اور تلواروں کے واروں کو اپنے اوپر لے رہے تھے اور حضور ﷺ پر وار نہیں آنے دیتے تھے کیونکہ حضور ﷺ کے بدن پر لگنے والے وار کی تکلیف ان حضرات کو اپنے بدن پر لگنے والے وار سے زیادہ محسوس ہوتی تھی۔ اس محبت کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ کی مجلس میں سکوت کامل (pin drop scielence) ہوتا تھا اور صحابہ کرام ایسے محو بیٹھے ہوتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور ذرا حرکت کی تو اڑ جائیں گے۔

۲۔ عظمت:

ایک وجہ (factor) عظمت ہے کہ جب کسی بہت پر عظمت اور محترم شخصیت سے ملنا ہو تو دوران ملاقات انسان کا ملکہ یادداشت پورے طور پر متوجہ ہوتا ہے اور اس مجلس کی کسی بات کو نظر انداز نہیں ہونے دیتا۔ مثلاً کسی آدمی کو کسی گورنر، وزیر اعظم یا صدر سے ملنے کے لیے آدھا گھنٹہ ملا ہو تو وہ اس مجلس کی ساری روئیداد اور وہاں کی حرکات وسکنات تک کو ضبط کر لیتا ہے۔ اب کہاں یہ عارضی فانی اور پھٹیچر شخصیتیں اور کہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت واہمیت۔ تو اب بتائیں کہ کسی صحابی کی دس احادیث کسی کی بیس ہیں تو کیا اتنی پر عظمت ہستی کے یہ پچاس سو کلمات ان کو یاد نہ رہے ہوں گے۔

۳۔ جلب منفعت:

ایک وجہ (factor) کسی کے کلام کے ساتھ حاصل ہونے والا متعلقہ فائدہ ہے جو اس کی اہمیت کو بہت زیادہ بڑھا دیتا ہے لہذا دماغ میں اس کی یادداشت بہت پکی ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی کاروباری آدمی کو اس دن کے مارکیٹ ریٹ ایک بار سنا دیے جائیں تو اس کو سب یاد ہو جاتے ہیں کیونکہ اس کی ان چیزوں کے ساتھ منفعت لگی ہوئی ہے۔ کوئی

آدمی جلدی سے آ کر ایک ہی سانس مین کسی طالبعلم کو دوسرے دن ہونے والے پرچے کے سولات بتا دے تو اس کو فوراً ہی حرف بحرف یاد ہو جائیں گے کیونکہ اس کی ان کے ساتھ ایک منفعت وابسطہ ہے۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باتیں اور احادیث کہ جن کے ساتھ دنیا اور آخرت کی انتہائی سرخروئی اور کامیابی متعلق ہے وہ کیا بار بار سننے سے بھی یاد نہ ہوئی ہوں گی!

۴۔دفع مضرت:

ایسے ہی کسی کے کلام اور باتوں میں ایسی چیزیں آ رہی ہوں جن کی وجہ سے انسان مضرتوں سے محفوظ ہو رہا ہو یا ان باتوں کے چھوٹ جانے سے مضرت کا اندیشہ ہو تو ان باتوں کی انسان بہت زیادہ اہمیت محسوس کرتا ہے اور اسکی یادداشت registration دماغ میں بہت پکی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ معالج اور ڈاکٹر کسی مریض کو جو پرہیزیں بتاتا ہے تو اسے فوراً یاد ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح دوران جنگ جب کوئی جرنیل اپنے سپاہیوں کو ضرر سے بچنے کے لیے جو ھدایات دیتا ہے فوراً انھیں ازبر ہو جاتی ہیں۔

اب اگر صحابہ کرام کے متعلق اس دفع مضرت والی وجہ factor کا جائزہ لیا جائے تو دنیاداروں سے کہیں بڑھ کر ان کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں چھوٹ جانے سے مضرت کا اندیشہ اور یقین تھا، جو کہ ملکہ یادداشت کے لیے بہت بڑا محرک ہے۔

۵۔طولِ مصاحبت:

کسی آدمی کی باتیں یاد رہنے میں اس بات کا بڑا دخل ہوتا ہے کہ آدمی اس کے ساتھ کتنا عرصہ تک رہا اور اس عرصے میں اس کے کتنے قریب رہا اور کتنی کثرت سے

مخالطت، مجالست اور مصاحبت رہی۔ چانچہ آدمی کسی گاڑی میں پشاور تا پنڈی سفر کرے تو سیٹ پر بیٹھا ہوا ساتھ والا آدمی اس مجالست ومخالطت کے بعد ایک دو گھنٹے تک یاد رہے گا پھر بھول بھال جائے گا۔ کسی کے ساتھ ایک دو ہفتہ تک اٹھنا بیٹھنا ہو تو مہینے بھر تک یاد رہے گا۔ لیکن اگر کسی کے ساتھ سالہا سال گذرے ہوں بچپن سے جوانی تک کا زمانہ ساتھ گذرا ہو، تو اس آدمی کی آواز، قدموں کی چاپ، کھانسنے کا طریقہ تک انسان کو یاد ہو جاتے ہیں۔ آدمی کو اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے بولنے کا انداز، ان کے خاص جملے اور کلام مکمل یاد ہوتے ہیں۔

اب صحابہ کرام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اس وجہ کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات ان کے مابین بدرجہ اتم موجود ہے۔ چنانچہ بعض احادیث کی روایت کرتے ہوئے صحابہ کرام نے ان حرکات وسکنات، اور احوال وانداز کو بھی روایت کیا ہے جو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوئیں۔ روایات میں صحابہ کرام یوں فرماتے ہیں کہ گویا آپ ﷺ کی وہ حالت میری نظروں کے سامنے ہے۔

۶۔ ذوق وشوق:

وہ چیزیں جو بندہ کے مذاق اور ذوق وشوق کے مطابق ہوں دماغ ان کو بہت جلد ازبر (register) کر لیتا ہے۔ کسی کا شاعری کے ساتھ شوق ہو تو ایک بار اشعار سننے سے اس کو یاد ہو جاتے ہیں۔ خود بندہ کو اپنے بارے میں تجربہ ہے کہ مولانا رومؒ، سعدی وشیرازی اور اقبال کے کلاموں میں سے سرسری سنا ہوا شعر یاد رہ جاتا ہے۔ کرکٹ کے متوالوں کو ساری دنیا کے میچ اور ان کے سکور ایک بار کے دیکھنے سننے سے یاد ہو جاتے ہیں، اور سارا دن ان کا چرچا کرتے رہتے ہیں۔ جبکہ انہی حضرات کو اپنے تعلیمی اسباق بالکل یاد

نہیں ہوتے کیونکہ ان کے ساتھ ان کی دلچسپی نہیں ہوتی اور اس کو ایک بوجھ سمجھ کر کر رہے ہوتے ہیں۔

اس گئے گذرے دور میں ہماری طرح نا اہل لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب حضور ﷺ کی احادیث پڑھی جائیں تو دل چاہتا ہے کہ پڑھنے والے کی بلائیں لے لیں۔اب صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کے ذوق وشوق کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا کہ کس درجے کا تھا۔تو کیا ان کو حضور ﷺ کے چند بول من وعن یاد نہ رہے ہوں گے!

۷۔تکرار:

کسی بات کا بار بار تکرار (repetition) اس کو لاشعوری طور پر حافظے میں ڈال کر وہاں پیوست کر دیتا ہے۔بندہ خود جس مضمون اناٹومی کو پڑھا رہا ہے کافی پیچیدہ اور مشکل ہے اور بندہ نے اس کے سیکھنے میں کوئی خاص مشقت نہیں اٹھائی ،لیکن بطور استاد پڑھاتے ہوئے اتنا تکرار ہو گیا ہے کہ اب یہ بچوں کا کھیل نظر آتا ہے، جبکہ اسی مضمون کو طلباء پڑھتے اور امتحان دیتے ہیں تو ان کے ہوش وحواس اڑے ہوئے ہوتے ہیں۔اس سے پہلے زیر بحث آئی ہوئی وجوہات کی بناء پر جس محبت، عظمت، منفعت و دفع مضرت کے یقین اور ذوق وشوق سے صحابہ احادیث سن لیتے تھے بعد سننے کے مختلف اشخاص سے مل کر اور مختلف مجالس میں جا کر آپ ﷺ کی باتوں کا بار بار تذکرہ اور چرچا کرتے تھے۔ان حضرات کے لیے تو یہ کلمات دل کا سرور اور آنکھوں کا نور تھے جن کے بار بار تکرار سے ان کو ایک لذت اور سکون حاصل ہوتا تھا،

ماهر چه خواندا ایم فراموش کرده ایم

الا حدیث یار که تکرار می کنم

ترجمہ: ہم نے جو کچھ پڑھا اس کو تو بھول بھال چکے ہیں سوائے دوست کی بات کے جس کو بار بار کہے جا رہے ہیں۔

کسی جگہ اگر کوئی کمی بیشی ہو جاتی تھی تو ساتھ والا آدمی جس نے سنا ہوتا تھا وہ درست کر دیتا تھا اس طرح وہ بات مسلسل تکرار میں رہ کر دماغ میں مستقل طور پر محفوظ ہو جاتی تھی۔ مستقل یاداشت والی باتیں تو انسان موت سے تھوڑی دیر پہلے تک یاد رکھے رہتا ہے۔

مندرجہ بالا بحث تو جدید سائنسی بنیادوں کے مطابق تھی۔ اس کے علاوہ احادیث جس معاشرے میں بیان ہوئی ہیں اس دور میں وہاں باتوں کو یادرکھنے کا رواج تھا۔ دانشور اسی آدمی کو سمجھا جاتا تھا جس کو اس دور کے چالو علوم زبانی یاد ہوں۔ اور جو آدمی تحریر کی مدد سے کوئی علمی بات کہتا تھا تو اسے بجائے عالم اور دانشور کے منشی سمجھا جاتا تھا۔ شرفائے عرب لکھنے کو منشیوں کا کام سمجھتے تھے اس لیے بڑے بڑے کاروباری حضرات اپنا حساب کتاب لکھنے کے لیے غلام اور منشی رکھا کرتے تھے اور خود باتیں املاء dictate کرانے میں اعزاز سمجھتے تھے۔ سینکڑوں اشعار کے کئی قصیدے انھیں زبانی یاد ہوتے تھے اور سینکڑوں اشعار کے قصیدے فی البدیہہ بول لیتے تھے۔ اسی ترتیب کی بنیاد پر انھوں نے احادیث کو بھی زبانی یاد رکھا۔ روایت کرنے میں صحابہ کے دور میں ہر صحابی نے صرف اپنی احادیث روایت کی ہیں جو اس نے خود آنحضرت ﷺ سے سنی تھیں اور دوسروں کی احادیث روایت کرنے کی ذمہ داری ان ہی پر چھوڑی ہے۔ مزید برآں حدیث کی اہمیت کے پیش نظر باوجود اس یادداشت اور حافظے کے صحابہ کرام نے اہتمام سے انھیں لکھا بھی ہے۔ کچھ مجموعے تو حضور ﷺ کی مجلس میں آپ کے سامنے لکھے گئے ہیں جیسے صحیفہ صادقہ وغیرہ جبکہ بعض مجموعے صحابہ کرام نے اپنے بڑھاپے اور اختلال حافظہ کے خطرہ کے پیش نظر خود لکھوائے، جیسے حضرت ابوھریرہؓ کا صحیفہ۔

چنانچہ مندرجہ بالا وجوہات صحابہ کرام اور ان کے ماحول میں بدرجہ اتم ہونے کی وجہ سے حفاظت حدیث کا اہم ذریعہ بنیں۔

☆☆☆☆☆

انعام اللہ خان طالبعلم شعبہ
فارمیسی پشاور یونیورسٹی

اصلاح باطن کی آسان ترتیب

اللہ تعالیٰ نے انسان کی جسمانی وروحانی ضروریات کی تکمیل کا انتظام ہر زمان ومکان کیلئے کیا ہے اور پھر اس انتظام کی مختلف صورتیں پیدا کیں اور ساتھ ہی انسان کو اپنے ارادہ میں آزادی دی تا کہ وہ اپنی مرضی کی راہ کا تعین کر سکے اور اس کو اختیار کر سکے اسی طرح تمام ضروریات کیلئے مختلف ذرائع کو حرام وحلال میں تقسیم کر دیا۔ جب انسانیت کو صحیح راہ اپنانے کیلئے راہنمائی کی ضرورت ہوئی تو اللہ جل شانہ نے انبیائے کرامؑ کو مبعوث فرمایا جنہوں نے انسانیت کی اس ضرورت کی تکمیل کی اور صحیح راہ دکھلائی اور غلط راہ پر چلنے کے انجام سے ڈرایا۔ انسان کی روحانی شخصیت یا باطن کی تعمیر کیلئے محنت شرط ہے مگر جسمانی ضروریات کے حصول کیلئے محنت ضروری ہے، شرط نہیں کیونکہ بسا اوقات محنت ہوتے ہوئے بھی نتائج حاصل نہیں ہوتے۔ اب اگر انسان کے باطن کی تعمیر اپنی منزل کی نسبت موافق نہیں تو اس منزل کو پانے کیلئے اگر ظاہری سامان واسباب موجود بھی ہوں تب بھی ناکامی اس کا مقدر رہے گی۔ یہی بات حضرات انبیائے کرامؑ، صحابہ کرامؓ، اور اکابرینِ سلف ہر دور میں سمجھاتے رہے ہیں کہ تعمیر باطن نہ ہو تو ظاہری اسباب وحالات خواہ کتنے موافق کیوں نہ ہوں انسان اپنے اخروی مفادات تو درکنار اپنے دنیاوی مفادات بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ ہماری امت کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ وہ افراد و شخصیات جنہوں نے دین کی خدمت وسربلندی کیلئے میدان عمل میں قدم رکھا مگر اصلاحِ باطن کی طرف توجہ نہ دی تو عموماً وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے بلکہ امت مسلمہ کیلئے شر کا سامان کر گئے سو اس سے معلوم ہوا کہ تعلق مع اللہ اور اصلاح باطن نہایت ضروری چیز ہے۔

مگر اس راہِ احسان وسلوک کو اختیار کرنے کیلئے چند ضروری امور کو سمجھ کو عمل میں لایا جائے تو

چلنے والا بلا خطر اپنی منزل کو پہنچ سکتا ہے۔

صحبت صالحہ:

سب سے اہم اور بنیادی امر راہِ طریقت میں صحبت صالحہ کا حصول ہے۔ صحبت کو انسان کے باطن کے بننے اور بگڑنے میں نہایت گہرا دخل ہے اس لئے کہ صحبت میں جو اعمال ہوتے ہیں انسان ان کو دیکھ کر، سن کر، بول کر اور سوچ کر ان سے مانوس ہو جاتا ہے اور پھر اُنس کے بعد ان کو اختیار کرتا ہے۔ بعد اختیار کرنے کے یہ اعمال انسان کی عادت کا حصہ بن جاتے ہیں اور بلا تکلف اس سے صادر ہوتے ہیں عادت بننا اس بات کی علامت ہے کہ انسان کا باطن اس عمل کو قبول کر چکا ہے اسی لئے صحبت کو اپنائے بغیر باطن کسی عمل کو قبول نہیں کرتا۔

صحبت کا اثر انسان تو کیا جانورں کا بھی ہوتا ہے مشکوٰۃ شریف میں بخاری و مسلم کی روایت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا ہے کہ اونٹ والوں میں فخر اور تکبر ہوتا ہے اور بکری پالنے والے میں مسکنت ہوتی ہے (آپ بیتی از حضرت مولانا زکریاؒ ص ۱۰۰، جلد دوم) سو اصلاح نفس کیلئے صحبت صالحہ میں سب سے زود اثر صحبت، صحبت شیخ ہے۔ صحبت شیخ کے متعلق حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں۔ ”اگر کوئی کہے کہ اصلاح اعمالِ باطنہ کے طریقے تو تصوف کی کتابوں میں لکھے ہیں ان کو دیکھ کر انسان اپنی اصلاح کر سکتا ہے پھر شیخ کی کیا ضرورت؟ تو جواب یہ ہے کہ بدنِ انسانی کے امراض کے معالجات بھی طب اور ڈاکٹری کی کتابوں میں پورے لکھے ہوئے موجود ہیں پھر طبیب اور ڈاکٹر کی ضرورت کیوں محسوس کی جاتی ہے جو ضرورت یہاں ہے وہی امراضِ باطنہ میں بھی ہے“۔ (مجالس حکیم الامت از حضرت مفتی محمد شفیعؒ۔ ص ۴۵)

صحبتِ شیخ میں سب سے اہم چیز شیخ اور مربی کا انتخاب ہے اور موجودہ دورِ فتن میں بصورتِ خضر راہزن، لوگوں کے مال اور ایمان کو لوٹنے کیلئے تیار بیٹھے ہیں اس صورت میں شیخ کا انتخاب کرتے وقت کم از کم تین باتوں کو مدّنظر رکھنا چاہیئے،

۱۔شریعت مسنونہ پر کامل طور سے عمل پیرا ہو۔

۲۔شیخ مذکورہ خود بھی اصلاح باطن کے عمل سے گزر چکا ہو اور اجازت یافتہ ہو۔

۳۔ہم عصر مشائخِ حق اور اکابرین، شیخ مذکورہ کی نسبت نیک رائے رکھتے ہوں اور پر اعتماد ہوں کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ خلافت ملنے کے بعد بعض اوقات کسی وقت حال بدل جانے کا خطرہ رہتا ہے جس کو ہم عصر محققین اور کاملین ہی سمجھ سکتے ہیں۔

کسی بھی فن کو سیکھنے کیلئے ضروری ہے کہ اس فن کیلئے متعیّن طریقہ کار سے واقفیت حاصل کی جائے اور بعد واقفیت کے عمل کیا جائے۔پس صحبت شیخ سے فائدہ وفیض بھی تب ہوگا جب صحبت سے استفادے کا طریق معلوم ہوگا اس کیلئے اکابرینِ سلف نے متعدد کتب تصنیف فرمائیں جن کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔موجودہ دور میں کم فرصتی کے باعث کم ہمت حضرات کیلئے فیض شیخ (صوفی محمد اقبال دامت برکاتہم)اور تسہیل قصد السبیل (ازحکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ) کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔بعض اوقات مجبوری کے باعث سالک شیخ سے بالمشافہ استفادہ نہیں کرسکتا تو اس صورت میں خط و کتاب اس کا بدل ہو جاتی ہے۔اسکے ساتھ ساتھ اکابرینِ سلف کی کتب کا مطالعہ نہایت مفید ہے مگر کتاب کے انتخاب میں مصنف بہت اہم کردار رکھتا ہے کیونکہ کتاب پڑھنے والے پر صاحبِ کتاب کے باطن کا عکس پڑتا ہے اگر صاحبِ کتاب کا باطن پاک ہے تو اثر نیک ہوگا ورنہ بد ہوگا۔اس عمر میں میں نے بیسیوں افراد کو دینی کتب پڑھ کر تباہ ہوتے دیکھا ہے۔اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ صاحبِ کتاب کا باطن خبائث لئے ہوتا تھا۔سواس

سے صحبتِ بد کے اثرات کا بھی اندازہ آدمی کو ہو جاتا ہے اگر نیک صحبت کے ساتھ ساتھ بد صحبت سے بچا نہ جائے تو انسان خطرات میں پڑ جاتا ہے۔ صحبت ہی کے متعلق رسالہ مختصر الحزب الاعظم میں صوفی محمد اقبال صاحب (خلفیہ ارشد حضرت مولانا زکریاؒ) فرماتے ہیں کہ صحبت شیخ کی عدم موجودگی کی صورت میں حضرات شاذلیہ (یہ مبارک سلسلہ اہل حق کے سلاسل میں سے ہے اور اب تقریباً معدوم ہو رہا ہے گو افریقہ میں یہ حضرات اب بھی موجود ہیں) کی نسبت عجیب بات منقول ہے کہ اگر صحبتِ شیخ میسر نہ ہو تو سالک کثرت درود کا اہتمام رکھے اس سے قلب میں ایک نور پیدا ہوگا جس کی بدولت سالک کیلئے امورِ باطنہ کی پرکھ آسان ہو جاتی ہے۔ یہ صورت صحبتِ شیخ کی کمی کسی درجہ میں پوری کر لیتی ہے۔

مجاہدہ:

صحبتِ شیخ سے سالک کو رہنمائی، فیض اور حوصلہ ملتا ہے مگر پختگی کثرتِ مجاہدہ سے آتی ہے جاننا چاہیے کہ مجاہدہ سے مراد شریعت مسنونہ پر حتی المقدور عمل، شیخ کی بتائی ہوئی تعلیمات، ہدایات اور اوراد و وظائف پر پوری طرح عمل پیرا ہوتے ہوئے راستہ کی مشکلات کو صبر و ہمت سے برداشت کرنا ہے۔ مجاہدہ سے رفتہ رفتہ قلب میں اعمال کا نور اور قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی قوت قلبیہ ہی تو ہے کہ جس کی وجہ سے ہمارے حضرات اکابرین پیرانہ سالی اور ضعف کی حالت میں بھی وہ مجاہدے کرتے ہیں جن کا تصور ایک عام صحتمند نوجوان بھی نہیں کر سکتا۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ العزیز کے بارے میں حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں۔ ''حضرت گنگوہی کی عمر ستر ۷۰ سال سے تجاوز کر گئی تھی اور اس کے ساتھ ضعف ونقاہت اس قدر کہ استنجا گاہ سے حجرے تک تشریف

لانے میں حالانکہ پندرہ سولہ قدم کا فاصلہ ہے مگر راہ میں بیٹھنے کی نوبت آجاتی، اس حال کے باوجود فرائض تو فرائض نفل بھی کبھی بیٹھ کر نہیں پڑھتے تھے۔ عبادت کا یہ عالم تھا کہ دن بھر روزہ اور بعد نماز مغرب چھ ٦ کی جگہ بیس ۲۰ رکعت صلوٰۃ الاوّابین پڑھا کرتے تھے جس میں تخمیناً دو پارے سے کم نہ ہوتے تھے۔۔۔۔۔ رات دو ڈھائی اور بعض خدام نے ایک ہی بجے آپ کو وضو کرتے پایا۔۔۔ بارہا خدام نے عرض کیا کہ آج تراویح بیٹھ کر ادا فرمائیں تو مناسب ہے، مگر جب آپ کا جواب یہی تھا نہیں جی، یہ کم ہمتی کی بات ہے۔'' (آپ بیتی از حضرت مولانا زکریاؒ جلد دوم، ص ۱۱۰)

مجاہدہ سے قلب میں صفائی اور تازگی پیدا ہوتی ہے۔ اسی کے متعلق حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ (حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ العزیز) بہت ہی نحیف و نازک تھے مگر آخر تک مجاہدات کرتے رہے جس کی وجہ روح کا نشاط اور قلب کی تازگی تھی۔ مجاہدہ کے سلسلہ میں حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں۔ ''جس نے جو پایا مجاہدہ ہی سے پایا ہے، محض مشائخ اور اکابر کی توجہ سے سب کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ مجاہدہ کے بارے میں ایک بات واضح رہے کہ بسا اوقات بندہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں مجاہدہ کر رہا ہوں مگر حقیقت میں محض مشقت کر رہا ہوتا ہے۔ اسلئے بغیر پوچھے مجاہدات میں لگنا وقت اور قوت کا ضیاع ہے بلکہ بعض اوقات بد دینی کا سبب بھی ہو جاتا ہے اسلئے مجاہدہ صحبت کا بدل تو نہیں لیکن فیضِ صحبت کو قوت دلانے والی شے ہے۔

پابندی واہتمام

اگر سالک صحبت شیخ اور مجاہدے کی پورے آداب کے ساتھ پابندی واہتمام کرے گا تو اس کے منزل پر پہنچنے کے حالات بفضلہٖ تعالیٰ ہو جائیں گے۔ اگر سالک

صحبت شیخ سے فائدہ اٹھا رہا ہو، اعمال پر مجاہدہ کے ساتھ جم رہا ہو مگر پابندی اور اہتمام کی پاسداری نہ کر رہا ہو تو ایسا سالک خطرے میں ہے اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیئے کہ پانی کا ایک بڑا ریلہ پوری قوت سے ایک چٹان پر آگرے تو چٹان کی ہیئت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لیکن اگر پانی کا ایک قطرہ مسلسل چٹان کی ایک خاص جگہ پر ٹپکتا رہے تو وقت گزرنے کے ساتھ چٹان میں گڑھا بنا دیتا ہے۔ یہی حال پابندی کا ہے شیطان اور نفس اوّل سالک کو اس کام میں لگنے نہیں دیتے مگر جب سالک کمر باندھ لیتا ہے تو شیطان سستی کے راستے حملہ آور ہوتا ہے اور سالک کو حیلوں بہانوں میں پھنسا دیتا ہے۔ تصوف کی حقیقت بھی یہی کہ طاعت کے بجالانے میں حائل سستی کو دبا کر کام میں لگے۔ اس دوران لغزشوں کے باعث مایوسی کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ اپنی اصلاح سے مایوسی شیطان کا انتہائی خطرناک وار ہے۔ اگر آدمی گرتے پڑتے کام میں لگا رہے تو ضرور اپنی مراد کو پہنچ جائے گا۔ سو ہمت و عزم کو بلند رکھنا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ سے توفیق کی دعا کرتے رہنا چاہیئے اور دل میں کبر داخل ہونے سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

اگر اس ترتیب کے مطابق چلا جائے تو اللہ جل شانہ اپنے فضل سے اپنا تعلق نصیب فرما دیتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

دنیا کی ہوس تاریکی اور آخرت کی خواہش نور ہے۔ لوگوں میں بہترین وہ ہے جو معصیت سے پرہیز کرے اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرے۔

(حضرت عثمانؓ)

اہل سنت والجماعت کے عقائد

جو مُسلمان ہے اس پر فرض ہے کہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ جو اس نے زُبان سے پڑھا ہے اس کے معنی بھی جانے اور اسطرح کہ اس میں کسی قسم کا شبہ نہ رہے۔ جب اسے یہ سعادت حاصل ہو گئی اور اس کے دِل کو پوری طرح اطمینان حاصل ہو گیا تو اتنی بات اسلام کے لیے کافی ہے، دلیل سے اس کے معنی کو جاننا ہر مُسلمان پر فرض عین نہیں اس لیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کو دلیل کی تلاش اور عِلمِ کلام پڑھنے نیز شبہات کی جستجو کا حکم نہیں دیا بلکہ ان معانی کی تصدیق و یقین پر کفایت فرمائی۔ اور عوام کا درجہ اس سے زیادہ ہے بھی نہیں تاہم کچھ لوگ ایسے ہونے ضروری ہیں جو گفتگو کا طریقہ جانتے ہوں اور اس کی دلیل بیان کرسکیں تاکہ اگر کوئی شخص عوام کو گمراہ کرنا چاہے اور ان کے عقائد کو مشتبہ کرنا چاہے تو وہ مخصوص افراد عوام کے نمائندہ و ترجمان بن جائیں اور ان شبہات کا ازالہ کریں اس عِلم کو عِلمِ کلام کہتے ہیں۔ اور یہ فرض کفایہ ہے۔ ہر بستی میں اس عِلم کے جاننے والے چند افراد کا ہونا ضروری ہے عوام تو محض عقیدہ رکھنے والے ہوتے ہیں۔ لیکن متکلم کی حیثیت کوتوال کی ہے جو ان کے عقائد کا نگہبان ہوتا ہے البتہ معرفت کی حقیقت کی راہ اور ہی ہے اور ان دونوں مذکورہ مقامات سے جدا ہے جس کا آغاز ریاضت و مجاہدہ سے ہوتا ہے جب تک مُسلمان اس راہ پر نہیں چلے گا وہ معرفت کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا اور اس کے لیے معرفت کا دعویٰ صحیح نہیں۔ کیونکہ اس میں نفع سے زیادہ نقصان ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص پرہیز تو نہ کرے لیکن دوا استعمال کرے تو اس میں جان کی ہلاکت کا خوف ہے اس لیے کہ دوا بھی ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسے اور فاسد اخلاط اس کے معدہ میں ہوتے ہیں تو اس دوا سے صحت ہونے کی بجائے بیماری اور بڑھ

جاتی ہے۔ جو شخص اس قابل ہو وہ تلاش کرے اور تلاش وہی کر سکتا ہے جیسے دُنیا سے تعلق نہ ہو اور تمام عمر اللہ کی تلاش میں رہا ہو اور یہ ہے بہت مشکل! تو ایسی چیز جو تمام مخلوق کے لیے غذا کی مانند ہے یعنی عقائد اہل سنت ہم انھیں بیان کرتے ہیں تاکہ ہر شخص صحیح عقیدہ دِل میں جمالے کہ یہی سعادت کا بیج ہے۔

تمھیں اس بات کا یقین کرنا چاہیے کہ تم مخلوق ہو اور تمھارا ایک خالق ہے تمام جہان اور اشیاء کو اُسی نے پیدا کیا ہے، وہ یکتا و تنہا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، وہ یگانہ ہے کوئی اس کا ہمسر نہیں، وہ ہمیشہ سے ہے کہ اس کی ابتدا نہیں اور ہمیشہ رہے گا یعنی اس کے وجود کی انتہا نہیں اس کی ہستی ازل و ابد میں ہے اس لیے کہ نیستی و معدومیت کا اس میں قطعاً کوئی دخل نہیں۔ اس کی ہستی اس کی ذات سے ہے اس لیے کہ اس کو کسی سبب کی ضرورت نہیں اور کوئی چیز اس سے بے نیاز و بے پروا نہیں۔ بلکہ وہ خالق مطلق تو قائم بالذات ہے لیکن تمام اشیاء کا قیام اس کی وجہ سے ہے۔

تنزیہ:

نہ وہ کسی چیز کی مانند ہے اور نہ ہی کوئی چیز اس کی مانند ہے اس کی کوئی صورت و شبیہ نہیں کیفیت و کمیت کا اس میں کوئی دخل نہیں بلکہ انسانی قلوب میں جو کیفیت و کمیت کا تصور آئے وہ اس سے بھی پاک ہے۔ کیونکہ تمام صفات اس کی مخلوق و پیدا کردہ ہیں اور وہ مخلوق کی کسی صفت پر نہیں حتیٰ کہ وہم و خیال جو صورت جمائیں وہ اس کا بھی پیدا کرنے والا ہے چھوٹا بڑا ہونا یا مقدار و اندازہ کسی چیز کا اس سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ صفات اجسام کی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا جسم نہیں۔ اور نہ ہی اس کا جسم کے ساتھ کسی قسم کا جوڑ ہے وہ جو کچھ دُنیا میں ہے سب عرش کے نیچے ہے اور عرش اللہ تعالیٰ کی قدرت تلے مسخر ہے اور وہ

عرش پر ہے لیکن ایسے نہیں کہ جیسے کوئی جسم کسی جسم کے اوپر ہوتا ہے اس لیے کہ وہ جسم ہے ہی نہیں اور عرش نے اسے اُٹھا نہیں رکھا بلکہ عرش اور حاملانِ عرش سب کو اس کی قدرت و مہربانی نے تھاما ہوا ہے۔ عرش پیدا کرنے سے قبل جو اس کی صفت وحقیقت تھی آج بھی وہی ہے اور ابد تک یونہی رہے گا اس لیے کہ اس کی ذات وصفات میں تغیر وگردش کو کچھ دخل نہیں۔ اور باوجود اس کے کہ وہ ساری مخلوق کی صفات سے پاک ہے مگر اس دُنیا میں پہچاننے کے لائق ہے اور اگلی دنیا میں دیکھنے کے! اِس جہان میں اسے بے چون و بے چگوں پہچانتے ہیں تو اُس جہاں میں اسے اسی طرح دیکھیں گے کیوں کہ اُس جہان کا دیکھنا اِس جہان کے دیکھنے سے مختلف ہے۔

قدرت :

وہ کسی چیز کی مانند نہیں اور سب چیزوں پر قادر ہے اس کی قدرت اس قدر درجۂ کمال کی ہے کہ کسی طرح کے عجز ونقصان اور ضعف کا اس میں سے گذر تک نہیں بلکہ اس ذاتِ حق نے جو چاہا کیا اور جو چاہے گا کرے گا ساتوں آسمان اور زمین اور عرش وکرسی وغیرہ جو کچھ ہے سب اس کے قبضۂ قدرت میں مغلوب ومسخر ہیں اللہ کے سوا کسی کا کسی چیز پر اختیار نہیں اور پیدا کرنے میں کوئی اس کا یار ومددگار نہیں۔

عِلم:

وہ دانا ہے ہر چیز کا جاننے والا۔ اس کا عِلم ہر چیز پر محیط ہے۔ عرشِ اعلیٰ سے تحت الثریٰ تک کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کے احاطۂ عِلم سے باہر ہو اس لیے کہ ہر چیز اسی کے حکم سے ظاہر ہوتی ہے حتیٰ کہ ریگستانوں کی ریت، درختوں کے پتے، دلوں کے خطرات و وساوس اور ہوا کے ذروں کے عدد تک اس کے عِلم میں یوں ہیں جیسے آسمان کے عدد و گنتی

سے وہ واقف ہے۔

ارادہ:

جو کچھ دُنیا میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کے چاہنے اور ارادے سے ہے کوئی چیز چھوٹی یا بڑی، کم ہو یا زیادہ، اچھّی ہو یا بری، گناہ کی ہو یا عبادت سے متعلق، کفر کے قبیل سے ہو یا ایمان کے قبیل سے یا نفع کی ہو یا نقصان کی، باعث رنج ہو یا راحت، بیماری ہو یا صحت اسی کی تقدیر و مشیت اور حکم سے ہوتی ہے۔ اگر جن، آدمی، شیطان اور فرشتے سب اکٹھے ہو کر دُنیا میں ایک ذرہ کو ہلانا چاہیں یا کسی جگہ رکھنا چاہیں یا اٹھانا چاہیں یا گھٹانا بڑھانا چاہیں تو اللہ کی مشیت و ارادہ کے بغیر سب عاجز ہوں گے اور کچھ بھی نہ کرسکیں گے حتیٰ کہ وہ نہ چاہے تو کوئی چیز پیدا نہیں ہوسکتی کوئی چیز اس کی مرضی کے مطابق ہو کوئی اسے دفع نہیں کر سکتا المختصر جو کچھ تھا اور ہوگا سب اُسی کی تقدیر و تدبیر کے تابع ہیں۔

سمع و بصر:

جس طرح وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اسی طرح ہر چیز کو دیکھنے اور سننے والا بھی ہے اس کی شنوائی میں دُور و نزدیک سب برابر ہیں اور روشنی و تاریکی اس کی بینائی میں یکساں۔ اندھیری رات میں چیونٹی کے پاؤں کی آواز سنتا ہے تحتُ الثریٰ میں موجود کیڑے کی رنگت و صورت کو دیکھتا ہے اس کی بینائی کا مدار آنکھ پر نہیں اور اس کی شنوائی کا مدار کان پر نہیں۔ جس طرح اس کی سمجھ کا تدبیر و سوچ پر مدار نہیں اسی طرح کسی کا پیدا کرنا بھی آلہ پر منحصر نہیں۔

کلام:

اس کا فرمان ساری مخلوقات کے لیے واجب التعمیل ہے جو خبر اُس نے دی وہ

سچی ہے اس کا وعدہ وعید سب سچّا' جو حکم' خبر' وعدہ' وعید ہے سب اسی کا کلام ہے۔ جس طرح وہ حی و قیوم' دانا و بینا ہے اسی طرح وہ متکلم بھی ہے اُس نے حضرت موسیٰؑ سے بلاواسطہ کلام فرمایا۔ اس کی بات زُبان لب اور مُنہ سے نہیں ہوتی بلکہ جس طرح آدمی کے دِل میں بے آواز و بے حرف بات ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بات بھی بے حرف و بے آواز ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ پاک ومنزہ' قرآن' تورات' زبور اور انجیل اور باقی انبیاءؑ پر جو کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے سب اسی کا کلام ہیں اور بالکل سچّا کلامِ الٰہی اس کی صفت ہے اور اس کی تمام صفات قدیم ہیں اور ہمیشہ سے ہیں! اور جس طرح اس کی ذات قدیم ہے اور ہمارے دِل میں معلوم اور زُبان پر مذکور ہوتا ہے اسی طرح اس کا کلام بھی قدیم ہے اور ہمارے دِل میں محفوظ زُبان سے پڑھا گیا اور مصحف پر لکھا ہوا ہے۔

افعال:

دُنیا اور اس میں جو کچھ ہے سب اس کی مخلوق ہے۔ جس چیز کو اس نے پیدا کیا وہ اس طرح کیا کہ اس سے بہتر پیدا نہیں ہوسکتی تھی۔ اور دُنیا کے تمام عقلاء اپنی اپنی عقل کو مجتمع کر کے سوچیں اور چاہیں کہ اس دُنیا کی اس سے اچھّی صورت تجویز کرلیں اور اس سے بہتر کوئی تدبیر اختیار کریں یا کمی زیادتی کرلیں تو ناممکن ہے اگر وہ یہ سوچیں کہ اس سے بہتر ہونا چاہیے تھا تو غلطی وخطا کا ارتکاب کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی مصلحت وحکمت سے غافل رہیں گے۔ ایسے لوگوں کی مثال اس اندھے جیسی ہے جو کسی گھر میں جائے وہاں ہر چیز قرینہ کے ساتھ لگی ہوئی ہو وہ اسے تو دیکھے نہیں لیکن جب گر پڑے تو کہے کہ یہ چیز راہ میں کیوں پڑی ہے حالانکہ اسے تو سوجھتا ہی نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کر عدلِ تام اور حکمت بالغہ کے ساتھ بنایا ہے اور جیسا چاہیے تھا ویسا ہی فرمایا ہے اگر اس سے زیادہ

کاملیت ممکن ہوتی اور وہ نہ کرتا تو یا عاجزی کے پیش نظر اور یا بخل کے سبب اور اللہ ان دونوں سے پاک ومنزہ ہے۔ اُس نے جو دکھ' بیماری فقرو ناداری یا عاجزی پیدا فرمائی وہ سب تقاضائے عدل ہے۔ کیونکہ ظلم تو وہاں ممکن ہی نہیں اس لیے کے ظلم تب ہے جب غیر کی ملکیت میں تصرف ہو اور اللہ کسی کی ملکیت میں تصرف نہیں فرماتے کیونکہ اصل میں مالک وہی ہیں' کسی دوسرے کی ملکیت تو عارضی اور وقتی نیز موہوبہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو کچھ تھا اور ہے نیز ہوسکتا ہے وہ سب مملوک ہے اور اللہ سب کا مالک! اور اس کا کوئی ہمسر وشریک نہیں۔

آخرت:

اللہ تعالیٰ نے جہان کو دو قسم پر پیدا فرمایا ایک عالم اجسام اور دوسرا عالم ارواح۔ عالم اجسام آدمیوں کی رُوح کا مقام ومستقر ہے تاکہ اس سے زادِ آخرت حاصل کر سکیں اور ہر شخص کے قیام کی ایک مدت مقرر فرمائی جس کی انتہا اجل ہے بڑھنے گھٹنے کا اس میں قطعاً دخل نہیں اجل آتی ہے تو جان کو بدن سے جدا کر لیتے ہیں اور روز قیامت جو حساب اور مکافات کا دن ہے اس دن جان کو پھر انسانی قالب میں عطا فرمائیں گے اور سب کو اٹھا کر کھڑا کریں گے اور ہر ایک اپنے اپنے کردار کو اعمالنامہ میں دیکھے گا جو کچھ اُس نے دنیا میں کیا سب اسے یاد دلایا جائے گا اور گناہ کے مقدار کو ایسے ترازو میں تولیں گے جو اس کے لائق وقابل ہوگی وہ ترازو اس جہان کے ترازو کے شابہ نہیں۔

صراط:

پھر سب انسانوں کو پل صراط پر چلنے کا حکم ہوگا اور وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے جو کوئی اس دُنیا میں صراطِ مستقیم یعنی شریعت مطہرہ پر جا رہا ہے وہ پل

صراط پر آسانی سے گزر جائے گا اور جس نے اس دُنیا میں سیدھی راہ اختیار نہ کی۔ وہ اس پر نہ چل سکے گا بلکہ دوزخ میں جا گرے گا اور تمام لوگوں کو اس پر روک کر اعمال کی پوچھ ہوگی سچّے ایمان دار سے ان کی سچّائی کی حقیقت معلوم کریں گے اور منافق وریا کاروں کو خجالت و شرمندگی سے دوچار ہونا پڑے گا اور فضیحت و رسوائی میں مبتلا ہوں گے۔ کسی جماعت کو تو بے حساب جنت میں داخلہ نصیب ہوگا کسی گروہ کا حساب آسانی سے اور کسی کا مشکل سے ہوگا رہ گئے کافر تو وہ دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے اور انھیں کبھی نجات نہیں ہوگی۔ فرمابردار مُسلمان جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اور گنہگار مُسلمان دوزخ کے سپرد کر دیئے جائیں گے۔ انبیاء وصلحاء ان میں سے جس کی شفاعت کریں گے ارحم الراحمین اسے بخش دے گا اور جس کی شفاعت نہ کریں گے۔ اسے فرشتے دوزخ میں لے جائیں گے اور اس کے گناہوں کے مطابق اسے سزاو عذاب برداشت کرنا پڑے گا پھر اسے بھی جنت میں جانا نصیب ہوجائے گا۔

پیغمبر:

چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات طے فرمائی ہے کہ بندوں کے بعض اعمال ان کی شقاعت و بدبختی کا سبب ہوں گے اور بعض سعادت و نیک بختی کے! لیکن آدمی انھیں پہچان نہیں سکتا کہ کون سے اعمال بدبختی کا سبب ہیں اور کون سے باعث سعادت! تو اللہ نے اپنے فضل وکرم سے انبیاءؑ کو پیدا فرمایا اور حکم دیا کہ ازل میں جن لوگوں کے لیے کمال سعادت کا حکم ہو چکا ہے انھیں اس بھید سے آگاہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کو پیغامِ حق دے کر مخلوق کی طرف بھیجا تاکہ سعادت وشقاوت کی راہ ان کو بتائیں تاکہ کوئی بندہ یہ نہ کہہ سکے کہ اسے عِلم نہیں ہوسکا اور اس پر خُدا کی حجت تمام ہوجائے۔ پھر تمام پیغمبروں

کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول مقبول ﷺ کو بھیجا جو خاتم النبیین اور سیّد الاولین و الآخرین ہیں آپ کو وہ درجہء کمال عطا کیا کہ اس پر زیادتی محال ہے۔اس واسطے کہ آپ کو خاتم الانبیاء بنایا کہ آپ کے بعد پھر کوئی پیغمبر پیدا نہیں ہوگا اور تمام جنّ وانسان کو آپ کی اتباع واطاعت کا حکم دیا۔تاکہ کوئی آپ کے حلقہ اطاعت سے باہر نہ رہے اور آپ کو تمام انبیاء صلوات اللہ علیہم وسلامہ کا سردار وافسر بنایا اور باقی انبیاءؑ کے یاروں اور دوستوں سے ہمارے نبی کے اصحاب واحبابؓ کو افضل وبہتر بنایا۔ (ماخوذ از کیمیائے سعادت)

☆☆☆☆☆

دعائے حضرت انسؓ

ایک بار حجاج بن یوسف حضرت انسؓ پر غضبناک ہوا اور بولا کہ انسؓ اگر تو نبی کریم ﷺ کا خاص خادم نہ ہوتا اور امیر المؤمنین مروان بن حکم تیرے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی سفارش نہ کرتے تو میں تجھ کو ایسی سزا دیتا کہ تو ساری عمر یاد رکھتا۔یہ سن کر حضرت انسؓ نے فرمایا کہ قسم ہے خدائے پاک کی اگر تو مجھ کو سزا دینا چاہتا تو بھی نہ دے سکتا، تیری کیا مجال ہے کہ تو مجھے نقصان پہنچائے اس لیے کہ میرے آقا نبی کریم ﷺ نے مجھے ایسی دعا سکھا رکھی ہے کہ جس کی بدولت تو تو کیا، مجھے کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔حجاج حضرت انسؓ کے کلمات کی ہیبت سے لرز گیا اور جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو حضرت انسؓ سے التجا کرنے لگا کہ اے انسؓ! وہ دعا مجھے بھی سکھا دیں۔حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں تجھے نہیں سکھاؤں گا اس لیے کہ تو اس کا اہل نہیں ہے۔علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ جب حضرت انسؓ کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے خادم کو بلایا، جس نے آپؓ کی دس سال تک خدمت کی تھی، اس سے فرمایا کہ میں نے دس سال حضرت رسول اکرم ﷺ کی

خدمت کی تو آنحضرت ﷺ نے مجھے یہ دعا سکھلائی تھی جس کی برکت سے میں دنیا کی ساری آفتوں سے محفوظ رہا ہوں۔ چونکہ تو نے بھی میری دس سال خدمت کی ہے لہذا میں تجھ کو وہ دعا سکھاتا ہوں۔ پھر حضرت انسؓ کے خادم نے دوسرے لوگوں کو یہ دعا بتلائی۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى دِيْنِىْ وَنَفْسِىْ بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى اَهْلِىْ وَ مَالِىْ بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ اَعْطَانِيْهِ رَبِّىْ بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْاَسْمَآءِ بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْاَرْضِ وَالسَّمَآءِ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِىْ لَا يَضر مع اسمه دآء بسم الله افتتحت و على اللهتوكلت لا قوة الا بالله و الله اكبر الله اكبر الله اكبر الله اكبر لآ اله الاالله العلى العظيم تبارک الله رب السموت السبع و رب العرش العظيم و رب الارضين و ما بينهما و الحمد لله رب العلمين عز جارک و جل ثنآئک و لآاله غيرک اجعلنى فى جوارک من شر كل ذى شر و من شر الشيطن الرجيم ان وليى الله الذى نزل الكتاب وهو يتولّى الصالحين فان تولو ا فقل حسبى الله لآ اله الّا هو عليه توكلت و هو رب العرش العظيم

☆☆☆☆☆

رضائے حق مطلوب ہے

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ جو اس قدر مضبوط اور قوی القلب تھے کہ بڑے سے بڑے فتنے اور فساد کے وقت بھی مستقل رہتے اور از جا رفتہ نہ ہوتے تھے، اس کا راز یہی تھا کہ وہ صرف ایک ذات کی رضا پر نظر رکھتے تھے، ثمرات پر نظر نہ رکھتے تھے۔ ایک زمانہ میں مدرسہ دیوبند کے خلاف دیوبند میں

بڑی شورش تھی اور اہل قصبہ کا مطالبہ وہی تھا جو آجکل ہو رہا ہے کہ ایک ممبر ہماری مرضی کے موافق ممبران مدرسہ میں بڑھا دیا جائے۔ مولانا گنگوہیؒ اس کو منظور نہ فرماتے تھے۔ یہ فتنہ اس قدر بڑھا کہ اس زمانہ میں جو میرا دیوبند جانا ہوا تو مجھے مدرسہ کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہوا۔ میں نے حضرتؒ کو ایک خط لکھا کہ اگر اس وقت شہر والوں کا مطالبہ مان لیا جائے تو مدرسہ کو کچھ نقصان نہ ہوگا کیونکہ مجلس شوریٰ میں کثرت آپ کے خدّام کی ہے اور کثرت رائے سے ہی فیصلہ ہوا کرتا ہے، ان کے ایک ممبر کی رائے سے فیصلہ پر کچھ اثر نہیں ہوسکتا اور مطالبہ نہ ماننے میں مجھے مدرسہ کے بند ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تو حضرت گنگوہیؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ہم کو مدرسہ مقصود نہیں رضائے حق مقصود ہے، اور نا اہل کو ممبر بنانا معصیت ہے جو خلاف رضائے حق ہے اس لیے ہم اپنے اختیار سے ایسا نہیں کریں گے کیونکہ اس پر ہم سے مؤاخذہ ہوگا۔ اور اگر اہل شہر کے فتنہ سے مدرسہ بند ہو گیا تو اس کے جواب دہ قیامت میں وہ خود ہوں گے کیونکہ ان ہی کے فعل کا نتیجہ ہوگا ہم سے اس کا مؤاخذہ نہ ہوگا۔

الحمد للہ جو بات مجاہدوں سے برسوں میں بھی حاصل نہ ہوئی وہ بزرگوں کی جوتیوں کے طفیل ایک ساعت میں حاصل ہوگئی، حضرتؒ نے اس تحریر میں جس علم کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ بہت بڑا علم ہے جس کا عنوان یہ ہے کہ ثمرات مقصود نہیں بلکہ صرف رضائے حق مقصود ہے۔ نہ مدرسہ مقصود ہے، نہ طلبہ کی کثرت مقصود ہے، نہ ہی عمارت مقصود ہے، صرف اللہ کی رضا مقصود ہے۔ اگر رضائے حق کے ساتھ یہ کام چلتے ہوں تو چلاؤ اور حسب ہمت و طاقت ان میں کام کرتے رہو۔ اور جو کام طاقت سے زیادہ ہو اس کو الگ کرو۔ واللہ اس علم سے بہت سے پریشان حالوں کی پریشانیاں اور وساوس قطع ہو گئے ہیں۔ اس علم سے اعمال میں کام لے کر دیکھو تو اس کی قدر ہوگی۔ (ماخوذ از: معارف گنگوہیؒ)